بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعض غیر مسلموں کی طرف سے بطورِ اعتراض پیش کردہ

قرآنی آیات

کا پسِ منظر اور صحیح مفہوم

تحریر :

محمد سلمان منصور پوری

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

شعبۂ نشر واشاعت:

جمعیۃ علماء ہند ۱- بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی-۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد!

موقع بموقع فرقہ پرست اور فسطائی تنظیموں سے وابستہ اَفراد اپنے بیانات اور تحریروں میں قرآنِ کریم کو نشانہ بنا کر برسرِعام اشتعال انگیزی کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ قرآنی آیات کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ان آیات کو قرآنِ کریم سے نکال دیں؛ کیوں کہ یہ آیات اُن کے بقول غیر مسلموں سے نفرت اور جنگ کی تعلیم دیتی ہیں۔

قرآنِ کریم کی جن ۲۴/آیتوں کو یہ لوگ موجب اعتراض سمجھتے ہیں، اُن کے ترجمے اخبارات وغیرہ میں شائع ہوچکے ہیں، جس سے برادرانِ وطن میں اسلام اور مسلمانوں سے نفرت بڑھتی جارہی ہے، جس کا کچھ اندازہ سوشل میڈیا میں ''کمنٹ باکس'' میں تبصروں سے لگایا جاسکتا ہے۔

بریں بنا ضرورت ہے کہ اِس وقت فرقہ پرستوں کی طرف سے قرآن مقدس کے خلاف اٹھائے جانے والے ''طوفانِ بدتمیزی'' کا مضبوط جواب دیا جائے۔ اور اسلام کے بارے میں پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے۔ اور اقوام عالم کو بتایا جائے کہ اسلام امنِ عالم کے لئے ہرگز خطرہ نہیں؛ بلکہ حقیقی خطرہ وہ لوگ ہیں جو آج اسلام کے خلاف برسرِپیکار ہیں، دنیا میں بدامنی آج مخالفین اسلام نے ہی پھیلا رکھی ہے، اور ہمارے ملک کے امن کو بھی یہی فسطائی ذہنیت کے لوگ تباہ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اگر ان بے لگام اور اکثریت کے غرور میں مدہوش

بدزبان افراد کو لگام نہ لگائی گئی اور انہیں کھلے مہار دوسروں کے مذہب پر تنقید اور طعن وتشنیع کرنے کی کھلی چھوٹ ملی رہی، تو یہ ملک آپسی انتشار کا شکار ہوجائے گا؛ اِس لئے کہ انسان سب کچھ برداشت کرلیتا ہے مگر اپنے مذہب اور عقیدہ کے خلاف جارحیت کو برداشت نہیں کرتا، اور ایک حد سے گذرنے کے بعد مذہب کے دفاع کے لئے ہر ممکن قربانی دینے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔

اِسی غرض سے مخدومِ محترم سیدی ومرشدی فدائے ملت، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ صدر جمعیۃ علماء ہند کے حکم پر ۲۰۰۲ء میں یہ مضمون لکھا گیا تھا، جو اَولاً ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد کے ۳؍شماروں (دسمبر ۲۰۰۲، جنوری فروری ۲۰۰۳ء) میں شائع ہوا۔ اس کے بعد اسے ''جمعیۃ علماء ہند'' کے ۲۷؍ویں اجلاس عام (منعقدہ: ۲۰۰۳ء دہلی) کے موقع پر الگ کتابچہ کی شکل میں شائع کیا گیا۔

اَب کچھ مہینوں سے پھر اسلام اور قرآنِ کریم کے بارے میں سوشل میڈیا پر نفرت انگیز مواد کی اِشاعت ہورہی ہے، اِس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اِس رسالے کو دوبارہ شائع کردیا جائے؛ تاکہ غلط فہمیاں دور ہوں، اور قارئین کو اِسلامی نقطہ نظر سمجھنے میں مدد ملے۔

اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائیں اور نافع بنائیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق:

احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۴۴۱/۱۲/۲۹ھ مطابق ۲۰۲۰/۸/۲۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کریم نا قابل ترمیم ہے

نحمده و نصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد!

یہ بات ساری دنیا پر آشکارا رہنی چاہئے کہ قرآن کریم سچی آسمانی کتاب ہے، اور اللہ رب العالمین کا کلام ہے۔ اِس میں تا قیامت کسی تبدیلی اور تغیر کا نہ تو امکان ہے اور نہ کسی کو اختیار ہے۔اس کے زیر، زبر، نقطے اور اعراب تک جوں کے توں محفوظ ہیں۔

یہ کسی انسان کی تصنیف نہیں ہے کہ ہر نئے ایڈیشن میں زمانہ اور حالات کے اعتبار سے تبدیلی اور کتر بیونت کردی جائے؛ اللہ رب العزت کا دائمی کلام ہے، جس میں دخل دینے کا کسی انسان کو ذرہ برابر حق نہیں ہے۔ یہ کلام لوحِ محفوظ سے بحفاظت پیغمبر آخر الزماں سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر اُتارا گیا اور پھر اس کی مکمل حفاظت کا خدائی انتظام کیا گیا۔قرآن کا تعارف کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنَّـهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. نَزَلَ بِـهِ الـرُّوْحُ الْاَمِيْنُ. عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُـوْنَ مِنَ الْـمُنْذِرِيْنَ. بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ. (الشعراء: ۱۹۲-۱۹۵)

اور قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے، اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے، آپ کے قلب پر، صاف عربی زبان میں؛ تا کہ آپ بھی منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں۔

قرآن کریم کے برحق، دائمی اور اٹل ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ امتی تو درکنار خود صاحب قرآن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی طرف سے اس میں اضافہ یا کمی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ایک جگہ قرآن کریم میں نہایت زوردار انداز میں اعلان فرمایا گیا:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَ قَاوِيْلِ. لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ. ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ. فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ. وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ. وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِيْنَ. وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِيْنَ. وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ.

(الحاقة: ٤٤-٥١)

اور اگر یہ پیغمبر ہمارے ذمہ کچھ جھوٹی باتیں لگا دیتے، تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے پھر ان کی شہ رگ کاٹ ڈالتے، پھر تم میں کوئی ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا، اور بلاشبہ یہ قرآن متقیوں کیلئے نصیحت ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بعض تکذیب کرنے والے بھی ہیں (پس ہم ان کو اس کی سزا دیں گے) اور یہ قرآن کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے۔اور یہ قرآن تحقیقی یقینی بات ہے۔

دشمنان اسلام اور کفار کی طرف سے قرآن میں تبدیلی کا مطالبہ کوئی نیا نہیں؛ بلکہ دور نبوت میں بھی کفار نے اسی طرح کا مطالبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اِس طرح دیا:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَ نَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَا اَوْ بَدِّلْهُ. قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَائِي نَفْسِيْ. اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحىٰ اِلَيَّ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے آپ سے یہ کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اس میں کچھ ترمیم کردیجئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ: مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ. (یونس: ۱۵)

طرف سے اس میں ترمیم کردوں. بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ پہنچا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے بھاری دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔

اِن واضح آیات اور قرآنی اعلانات کے بعد قرآن مقدس میں ادنیٰ سی تبدیلی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، مسلمانوں کے مذہبی نقطۂ نظر سے قرآن میں تبدیلی کا مطالبہ سرے سے بحث ہی سے خارج ہے۔ اس موضوع پر تو گفتگو کی کوئی گنجائش ہے ہی نہیں، بھلے سے کوئی شخص قرآن کی کسی آیت کو اپنے خلاف سمجھا کرے یا اسے موجودہ زمانے کے مزعومہ قوانین کے خلاف سمجھتا رہے مگر یہ خیال دل سے بالکل نکال دے کہ قرآن میں کوئی ترمیم یا تبدیلی ممکن ہے۔

قرآنِ کریم کے متعلق یہی بے لاگ نظریہ اور دوٹوک موقف اس کی حقانیت کی کھلی دلیل ہے، اس کے برخلاف جو لوگ خود ہی اپنی کتابوں میں تبدیلی کی پیش کش کر رہے ہیں وہ اپنی ہی زبانوں سے اپنے مذہب کی جڑ کاٹ رہے ہیں؛ کیوں کہ جس مذہب کی کتابوں میں ہر کس وناکس کو تبدیلی کا حق حاصل ہو وہ مذہب پختہ اور حتمی ہو ہی نہیں سکتا۔

آیاتِ قرآنیہ کی تشریح کا حق کس کو؟

وشو ہندو پریشد کے بعض دریدہ دہن لیڈروں نے قرآنِ کریم کی جن ۲۴؍ آیات کو اپنے خلاف باور کیا ہے، سوال یہ ہے کہ ان آیات کا جو مطلب اُنہوں نے سمجھا ہے وہ صحیح بھی ہے یا نہیں؟ محض ان لیڈروں کی رائے زنی سے یہ نہیں مانا جاسکتا کہ اُن کا بیان کردہ مطلب صحیح ہے؛ اِس لئے کہ قرآنِ کریم کی تشریح کا ہما شما کو حق حاصل نہیں غیر مسلم تو دور ہے خود ان مسلمانوں کو بھی قرآن کی تفسیر وتشریح کا اختیار نہیں ہے جو دینی علوم سے بے بہرہ ہوں؛ بلکہ یہ اختیار صرف اُن علماءِ راسخین کو حاصل ہے جو اَحادیث طیبہ اور اقوال صحابہؓ کی روشنی میں آیات کے شانِ نزول،

سیاق وسباق اور معانی کا مکمل ادراک رکھتے ہوں، ایسے حضرات جو تفسیر بیان کریں گے وہی قبول ہوگی، اور جو شخص صرف ترجمہ دیکھ کر مطلب بیان کرے گا اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح قانون کی تشریح کا حق ایک قانون داں ہی کو حاصل ہوتا ہے ہر ایک کی رائے زنی قبول نہیں کی جاتی، بعینہٖ اسی طرح قرآن کی تشریح کا حق بھی صرف معتبر علماء اسلام کو حاصل ہے؛ لہٰذا یہ دشمنانِ دین آیاتِ مذکورہ کا جو مطلب بیان کررہے ہیں وہ ہرگز قابل اعتبار نہیں، آخر وہ قرآن کی تشریح کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ اور انہیں اس خامہ فرسائی کا آخر کس نے حق دیا ہے؟ جس طرح ایک مسلمان اور عیسائی کی بات وید کے کسی اشلوک کی تشریح میں قبول نہیں کی جاسکتی، اِسی طرح قرآن کی کسی آیت کے معنی کی تعیین اور تشریح میں بھی کسی غیر مسلم کی رائے کا کوئی اعتبار ہے ہی نہیں ہے؛ لہٰذا ان فتنہ پرور لیڈروں کی قرآنِ کریم کے متعلق رائے زنی ''احمقانہ بکواس'' سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اور اسے اسلام کے متعلق نفرت پھیلانے کی ''ایک مذموم اور اشتعال انگیز'' کوشش کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت

اسلام ایک خالص امن پسند مذہب ہے۔ اس سے یہ تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ خواہ مخواہ کسی انسان کو قتل کرنے یا ستانے کا حکم دے، اس کی تعلیمات تو سراسر رحم دلی، خیر خواہی اور امن پسندی پر مبنی ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ (تَبَارَكَ وَتَعَالٰی) اِرْحَمُوْا أَهْلَ الْاَرْضِ یَرْحَمُكُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ. (أبوداؤد شریف ٢/٦٧٥)	مہربانوں پر خدائے مہربان مہربانی کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

حتیٰ کہ اسلام میں جانوروں تک کو ستانے سے منع کیا گیا ہے؛ لہٰذا کسی انسان کو بلا وجہ محض اس کے غیر مسلم ہونے کی بنا پر فنا کے گھاٹ اُتار دینے کا مطلق حکم اسلام میں متصور ہی نہیں

ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم مسلمانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، ان کے خلاف دشمنی کا اظہار نہ کرے، اُن کو ستانے کے منصوبے نہ بنائے، اور اُن کے دینی معاملات میں دخل اندازی نہ کرے،تو شریعت میں ایسے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی کوئی ممانعت نہیں؛ بلکہ اِس کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔ اَرشادِ خداوندی ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ. (الممتحنة: ۸۰)

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں فرماتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے، اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔

اسی طرح قرآن وحدیث میں غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے؛ لہٰذا یہ دعوی محض شر انگیزی پر مبنی ہے کہ اسلام مطلقاً غیر مسلموں سے عدم رواداری کی تعلیم دیتا ہے؛ البتہ یہ ضرور ہے کہ مسلمان کو یہ حکم نہیں ہے کہ وہ خاموش ظلم سہتا رہے اور اپنے دین وایمان اور جان ومال کا دفاع نہ کرے، اسلام ایسی ذلت کی زندگی کو ہرگز گوارا نہیں کرتا۔

لہٰذا اگر کوئی فرد،قوم یا جماعت مسلمانوں کو مظالم کا تختۂ مشق بنائے گی تو مسلمانوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے دفاع اور تحفظ کے لئے جو بھی صورت ممکن ہو، اسے اپنانے سے دریغ نہ کریں۔ اور ایسے ظالم کفار سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھیں۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ، وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. (الممتحنة: ۹۰)

صرف ان لوگوں سے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑتے ہوں، اور اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو، اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہو، اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔

اس واضح آیت سے معلوم ہوگیا کہ اسلام میں ہر کافر کے ساتھ یکساں معاملہ کا حکم نہیں ہے؛ بلکہ حالات دیکھ کر احکامات کا تعین ہوگا، اگر امن وامان اور انصاف کے حالات ہیں تو خواہ مخواہ لڑنے کی کوئی وجہ نہیں، اور اگر ظلم وناانصافی اور ایذا رسانی کے حالات ہیں، تو پھر ان حالات کا مقابلہ کرنا نہ صرف مذہب؛ بلکہ عقل وانصاف کی رو سے بھی ضروری اور فرض ہوجاتا ہے۔ کوئی بھی عقل مند اِس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا۔

اسلام میں جہاد کا تصور

عرصۂ دراز سے اسلام کے ایک مقدس ترین عمل ''جہاد'' کو بدنام کرنے کی تحریک جاری ہے .اور گذشتہ سالوں کے عالمی حالات کے تناظر میں تو اسے ''ایک گالی'' کے مرادف قرار دیا جانے لگا ہے، اور منظّم انداز میں اس کی غلط تشریح کرکے دنیا کو گمراہ کیا جارہا ہے، اس لئے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ظلم وعدوان اور قتل وغارت گری کا نام ہرگز جہاد نہیں؛ بلکہ ''روئے زمین سے ظلم وناانصافی ختم کرکے خالق ارض وسماء رب العالمین کے حکم کو جاری کرنے کے لئے جدوجہد کرنے کا نام جہاد ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ۳/۴)

اسلام میں جب بھی جہاد کیا جاتا ہے تو اس کے پیچھے صرف اور صرف ظلم کا خاتمہ اور ''اعلاءکلمۃ اللہ'' کا مقصد کارفرما ہوتا ہے۔ محض خوں ریزی اور ملک گیری کے لئے قتل وقتال کو شریعت کی اصطلاح میں جہاد نہیں کہا جاسکتا۔ شریعت اسلامی نے اپنے ماننے والوں کو جہاد کا حکم دے کر دراصل ان کے تحفظ کا واقعی انتظام فراہم کیا ہے۔ اگر جہاد کا حکم اسلام میں نہ ہوتا تو دیگر قومیں نہ جانے کب کی مسلمانوں کو نوالۂ تر بنا چکی ہوتیں، اور اسلام کا تشخص فنا ہوجاتا۔

حالات کے اعتبار سے جہاد کے احکام میں فرق

اسلامی تاریخ اور احکام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حالات اور تقاضوں کے اعتبار سے جہاد کے احکامات میں فرق ہے اور ان سب حالات کے نظائر دورِ نبوت میں پائے جاتے ہیں؛

لہٰذا دنیا میں جہاں بھی جس طرح کے حالات پیش آئیں گے ان کا دورِ نبوت کے تدریجی حالات سے موازنہ کرکے حکم متعین کیا جائے گا، اب یہ حالات اجمالی طور پر چار طرح کے ہو سکتے ہیں:

حالت (۱):- کسی جگہ کے مسلمان نہایت کمزور ہوں ان کے پاس مقابلہ کی بالکل طاقت نہ ہو اور ملک کا اقتدار اعلیٰ غیروں کے ہاتھ میں ہو ایسی صورت میں ان کے لئے صبر کرنا یا اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ ہجرت کرنے کا حکم ہے جہاد کرنے یا لڑنے کا حکم نہیں ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ معظّمہ میں رہے آپ کو جہاد کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ صبر اور درگذر کرنے کی تعلیم دی گئی۔

حالت (۲):- اگر کسی جگہ مسلمانوں کو کچھ طاقت حاصل ہو اور وہ اس پوزیشن میں ہوں کہ اپنے ظالم دشمنوں سے مظالم کا بدلہ لے سکیں اور پیشگی طور پر ان کی طرف سے پیش آمدہ خطرات کا دفاع کر سکیں تو انہیں اجازت ہے کہ وہ حسبِ مصلحت ظالموں کی گھیرابندی کریں اور اُن کو نقصان پہنچائیں؛ لیکن ایسا کرنا صرف جائز ہے ضروری نہیں، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمانے کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلامی مرکز کی تشکیل ہوگئی، تو آپ نے ان کفارِ مکہ کو سبق سکھانے کے لئے جنہوں نے ۱۳/سال تک مسلمانوں کو ظلم وستم کا تختۂ مشق بنایا تھا، بدر کے میدان میں مقابلہ کیا اور فتح حاصل کی۔ یہ جہاد کی مشروعیت کا پہلا مرحلہ ہے۔

حالت (۳):- اگر مسلمانوں کا اپنا مرکز قائم ہو اور ان کے پاس معتد بہ طاقت بھی ہو تو اب اگر کوئی ان پر حملہ کی ابتدا کرے اور ظلم پر اتارو ہو جائے اور عدل وانصاف کو بالائے طاق رکھ دے تو ایسی صورت میں ان مسلمانوں پر شرعاً یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ دشمن کے ظلم پر خاموش نہ رہیں؛ بلکہ اپنی طاقت کے بقدر ظالموں کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں آئیں یہ ان کی شرعی ذمہ داری ہے اسی کو دفاعی جہاد کہا جاتا ہے۔

حالت (۴):- اگر واضح طور پر کسی ملک میں اسلام کو غلبہ حاصل ہو جائے اور دشمن کفار بالکل مغلوب ہو جائیں تو ایسی صورت میں اسلامی سلطنت کے استحکام کی ہر ممکن کوشش کی

جائے گی اور دشمنوں سے اس وقت تک جہاد کیا جاتا رہے گا؛ تا آنکہ وہ اسلامی نظام قبول کر لیں یا جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں؛ تاہم اس کا منشا لوگوں کو جبراً مسلمان بنانا ہرگز نہیں بلکہ اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون کو جاری کرنا ہے یہ وہ مرحلہ ہے جو دورِ نبوت میں فتح مکہ کے بعد جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کو حاصل ہوا۔ (تلخیص تکملۂ فتح الملہم ۳/۵-۸)

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ اسلام میں مسلمانوں کو یہ حکم ہرگز نہیں دیا گیا کہ ''جس کافر کو جہاں پائیں قتل کر ڈالیں'' بلکہ اُن کو اصول و قانون کا پابند بنایا گیا ہے، اس سے تجاوز کرنا کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے، اگر کوئی بے اصولی کرے گا تو سخت سزا کا مستحق ہوگا۔

چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص کسی ذمی (یعنی اسلامی حکومت میں امن لے کر رہنے والے غیر مسلم شہری) کو خواہ مخواہ قتل کر دے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ پائے گا، اگر چہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے''۔ (مشکوۃ شریف ۲۹۹)

لہٰذا جہاد اور غیر مسلموں کے حقوق کے بارے میں حکم عدولی کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔

جہاد کے حکم کا پس منظر

پھر یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ کیسی تکلیف دہ صورت حال اور اندوہ ناک، نا قابل تصور اذیتوں کے تحمل کے بعد اسلام میں جہاد کی اجازت اور اس کا حکم دیا گیا؟ مکہ کے مشرکین نے اسلام لانے والوں پر ابتداء میں کس طرح کے مظالم ڈھائے؟ کس طرح ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا گیا؟ راہ میں کانٹے بچھائے گئے، زدوکوب کیا گیا، بدن پر غلاظتیں ڈالیں گئیں، طعن و تشنیع اور ہرزہ سرائیوں کی حد کر دی گئی؛ حتی کہ لوگوں کو جان بچانے کے لئے مکہ سے ہجرت کر کے جانا پڑا، اور دین کے تحفظ کے لئے اپنے وطن کو قربان کرنا پڑا۔ یہ وہ سنگین حالات تھے جن کے پس منظر میں ہجرت مدینہ کے بعد ظالموں سے جہاد کا حکم دیا گیا؛ کیوں کہ یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ اگر ظالموں کی قوت کو توڑا نہ گیا، تو یہ کہیں بھی دنیا میں مسلمانوں کو امن وسکون سے رہنے نہ دیں گے، اور ہر جگہ فتنہ انگیزی پر آمادہ رہیں گے، اس لئے ضروری تھا کہ اپنے وجود کے

تحفظ کے لئے ظالموں کونیست ونابود کیا جائے۔

وشو ہندو پریشد کے دریدہ دہن لیڈروں کو وہ آیتیں تو خوب یاد رہیں جن میں ظالم کفار کو پکڑ پکڑ کر مارنے کا حکم ہے، اور مکہ کے ظالموں نے ۱۳؍سال تک مکہ میں مسلمانوں کے ساتھ جو انسانیت سوز حرکتیں کیں وہ بھول گئے؟ ظالموں کی طرف سے یہ چشم پوشی وہی کرسکتا ہے جس کے ہاتھ خود ظلم وتشدد میں لت پت ہوں اور جو خود دنیا میں ظلم وناانصافی اور حق تلفی کا سنگین مجرم ہو، ورنہ کوئی بھی عدل وانصاف کے جذبات رکھنے والا شخص ظالموں کی بیخ کنی کی کسی سخت سے سخت کارروائی کو بھی خلافِ انسانیت قرار نہیں دے سکتا۔

مسلمان پر کفار مکہ کے بدترین مظالم کی چند جھلکیاں

اسلام کی ابتداء میں مکہ معظّمہ میں تیرہ سال کا طویل عرصہ اس طرح گذرا کہ دشمنوں کی طرف سے کسی دن بھی انہیں چین نصیب نہ ہوا، قدم قدم پر روڑے اٹکائے گئے اور زندگی اجیرن کردی گئی۔ ان انسانیت سوز مظالم کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، اور نہ اس دور کے ایک ایک واقعہ کو یاد کرنے کا کوئی خاص اہتمام رکھا گیا لیکن پھر بھی جو اِکّا دُکّا واقعات تاریخ وسیر کی کتابوں میں محفوظ ہوگئے وہ انتہائی روح فرسا اور رونگٹے کھڑے کرنے والے ہیں۔ ایسے ہی چند واقعات کی طرف اشارات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں:

- پیغمبر علیہ السلام پر کوڑا کرکٹ ڈالا جاتا تھا۔ (الروض الانف ۲؍۴۰، حیاۃ الصحابہ ۱؍۲۸۰)
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے پر غلاظتیں اور خون آلودہ کپڑے ڈالے جاتے تھے۔ (الروض الانف ۲؍۴۰)
- ایک مرتبہ مکہ کے سردار امیہ بن خلف کے کہنے پر ایک کافر عقبہ نے آپ کے چہرۂ انور پر اپنا تھوک ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی۔ (الروض الانف ۲؍۴۰)
- ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے قریب نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک بدترین کافر عقبہ ابن ابی معیط نے سجدہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن پر اس زور سے

اپنا قدم رکھا کہ آپؐ کی آنکھیں باہر نکلنے کو ہوگئیں۔ (الروض الانف ۲/۴۰)

- ایک مرتبہ نماز کے دوران جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تشریف لے گئے، تو شقی القلب عقبہ ابن ابی معیط نے ابوجہل کے حکم پر اونٹ کا غلیظ اوجھ آپ کی کمر پر رکھ دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر نہ اٹھا سکے اور یہ منظر دیکھ کر مکہ کے بڑے کفار سامنے کھڑے کھڑے ٹھٹھول کرتے رہے۔ (مسلم شریف ۲/۱۰۸)
- ایک مرتبہ اسی لعین عقبہ ابن ابی معیط نے نماز پڑھتے ہوئے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں کپڑا ڈال کر اتنی زور سے کھینچا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا، اور بمشکل تمام حضرت ابوبکرؓ نے دھکا دے کر عقبہ کو ہٹایا، تو وہ کفار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت ابوبکرؓ پر لپٹ گئے اور اُن کے سر اور داڑھی کے بال اکھیڑ ڈالے۔ (الروض الانف ۲/۴۰)
- ایک مرتبہ کفار نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس قدر زدوکوب کیا کہ آپ بے ہوش ہوگئے۔ (حیاۃ الصحابہ ۱/۲۸۴)
- شعب ابی طالب میں آپ کا پورے خاندان سمیت سخت ترین بائیکاٹ کیا گیا اور تین سال تک نہایت تنگی اور تکلیف میں وقت گذارا۔ (البدایۃ والنہایۃ ۳/۹۱)
- طائف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت وحشیانہ اور انسانیت سوز حرکتیں کی گئیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اِس قدر پتھراؤ کیا گیا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا بدن لہولہان ہوگیا۔ (بخاری شریف ۱/۴۵۸، حیاۃ الصحابہ ۱/۲۹۱)
- آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا پختہ منصوبہ بنایا گیا اور طے کیا گیا کہ سب قبائل کے نمائندے مل کر آپ کو شہید کریں گے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ محفوظ رکھا اور آپ بحفاظت ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ (الانفال: ۳۰)
- سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی تو کفار نے اُنہیں مار مار کر بے ہوش کردیا۔ ایک کافر عتبہ بن ربیعہ آپ کے پیٹ پر

چڑھ کر کودتا رہا اور اپنے جوتے سے آپ کے چہرے پر وار کرتا رہا، جب آپ کے خاندان والے آپ کو اٹھا کر گھر لے گئے تو سخت ضرب کی وجہ سے سب یہی سمجھ رہے تھے کہ اب آپ زندہ نہ بچیں گے۔ (البدایۃ والنہایہ ۳/۵۳)

- سیدنا حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو محض اسلام لانے پر امیہ ابن خلف نے یہ سزا دی کہ مکہ کی سخت تپتی ہوئی دھوپ میں گرم زمین پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتا اور کہتا کہ ''یا تو دوبارہ کفر قبول کرو ورنہ اسی طرح تمہاری موت آجائے گی''۔ اور سیدنا حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ پوری استقامت سے وحدانیت کا نعرہ بلند فرماتے رہتے۔ (البدایۃ والنہایہ ۳/۶۴) اور کبھی مکہ کے اوباش لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا وہ آپ کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے تھے۔ (حیاۃ الصحابہ ۳/۳۰۶)
- سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو آپ کے چچا حکم بن العاص نے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا کہ جب تک اسلام نہ چھوڑو گے تمہیں نہ کھولوں گا، مگر حضرت عثمانؓ کی استقامت دیکھ کر اسے کھولنا پڑا۔ (حیاۃ الصحابہ ۱/۳۰۳)
- ایک مرتبہ کفار نے محض قرآن کریم بلند آواز سے پڑھنے پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اِس قدر مارا کہ آپ کے چہرے پر نشانات پڑ گئے۔ (الروض الانف ۲/۸۰)
- حضرت عمار بن یاسرؓ ان کے والد حضرت یاسرؓ اور اُن کی والدہ حضرت سمیہؓ کو کفار انگاروں پر لٹاتے تھے، جس سے ان کے کمر کی چربی تک پگھل جاتی اور یہ لوگ بے ہوش ہو جاتے، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اِنہی مصائب کی بنا پر وفات پا گئے، اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شرم گاہ میں ابوجہل نے برچھی ماری، جس سے آپ شہید ہو گئیں؛ حالاں کہ آپ اس وقت نہایت بوڑھی اور ضعیفہ تھیں، ملعون ظالم نے بڑھاپے پر بھی ترس نہ کھایا۔ (حیاۃ الصحابہ ۱/۳۰۸، سیرت المصطفیٰ ۱/۲۲۷)
- حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو دہکتے انگاروں پر لٹا کر سینے پر پیر رکھ دیا جاتا؛ تاکہ ہل جل

نہ سکیں اور وہ انگارے بدن کی چربی پگھلنے سے بجھ جاتے تھے، اسی بنا پر آپ کی پیٹھ پر سفید داغ ہو گئے تھے۔ (حیاۃ الصحابہ ۱/۳۰۹)

- حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے پر اُن کے چچا چٹائی میں لپیٹ کر دھواں چھوڑ دیتے تھے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۲۳۶)
- لعین ابوجہل کی اسلام دشمنی کا حال یہ تھا کہ اسے جب یہ پتہ چلتا کہ مکہ کا کوئی شخص مسلمان ہو گیا ہے، تو اگر وہ اسلام لانے والا شخص عزت دار ہوتا تو جا کر اُس کی ڈانٹ ڈپٹ کرتا اور اُس کی عزت خراب کرنے کی کوشش کرتا، اور اگر تاجر ہوتا تو کہتا کہ میں تیری تجارت چلنے نہ دوں گا، اور تیرا کاروبار تباہ کردوں گا، اور اگر اسلام لانے والا شخص کمزور ہوتا تو اس کی پٹائی کرتا اور دھمکیاں دیتا تھا۔ (الروض الانف ۲/۸۷)
- انہی تنگیوں اور ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر بہت سے مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، مگر کفار مکہ نے حبشہ تک اُن لوگوں کا پیچھا کیا اور شاہ حبشہ سے مطالبہ کیا کہ وہ ان مسلمانوں کو اپنے یہاں پناہ نہ دیں۔ (سیرت ابن ہشام ۱/۹۰)

یہ تو چند نمونے تھے جو کسی طرح تاریخ میں محفوظ رہ گئے، ورنہ اس سے بھی زیادہ سنگین مظالم مسلمانوں پر روا رکھے گئے، اور مکہ معظّمہ میں ان کا ناطقہ بند کر دیا گیا۔

آخر مسلمانوں کا قصور کیا تھا؟

مہذب دنیا میں ہر شخص کو نظریاتی اعتبار سے فکری آزادی حاصل ہوتی ہے اور کسی شخص کو محض اس کے ذاتی نظریہ اور عقیدہ کی بنا پر مستوجب سزا نہیں سمجھا جاتا، اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو کفار مکہ نے جن مظالم کا تختۂ مشق بنایا اس کی بنیاد کیا تھی؟ سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہاتھ پر ایمان لانے والوں نے مکہ والوں کا آخر کیا بگاڑا تھا؟ یہ حضرات نہ تو وہاں کے سرداروں کی حکومت میں کوئی خلل ڈال رہے تھے، نہ مال داروں کے مال و دولت میں کسی حصہ کے طالب تھے، وہ تو محض ایک نظریہ کو لے کر اُٹھے تھے اور وہ نظریہ

یہ تھا کہ ’’ایک خدائے واحد کی پرستش کی جائے اور اس کا ہم سر کسی کو قرار نہ دیا جائے‘‘ اس نظریہ کو قبول کر لینے سے کسی کا کوئی نقصان لازم نہیں آ رہا تھا، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی جبر بھی نہیں تھا آپ دعوت پیش فرماتے جو مان لیتا اُسے قبول کر لیتے اور جو نہ مانتا اس کے پیچھے نہ پڑتے تھے۔

لیکن یہ سیدھا سادہ سچا نظریہ کفار مکہ سے ہضم نہ ہوسکا، اور پیغمبر علیہ السلام کے دلائل کا کوئی معقول جواب تو ان کے پاس تھا نہیں؛ لہٰذا سنجیدگی سے گفتگو کے بجائے ہٹ دھرمی اور کمینہ پن پر اتر آئے، جیسا کہ ہر زمانہ کے فسطائیت پسند لوگوں کا یہی وطیرہ رہا ہے کہ جب وہ دلائل اور معقولیت میں ہار جاتے ہیں تو ’’جوتم پیدار‘‘ پر اتر آتے ہیں موجودہ دور میں بھی دشمنان اسلام کے کرتوت کچھ اسی طرح کے ہیں، اب خود ہی عقل وانصاف سے غور کیا جائے کہ اگر اسلام نے بعد میں ان بے قصوروں کو یہ اجازت دی کہ اُن کفار سے جنگ کریں جنھوں نے خواہ مخواہ بلا کسی وجہ کے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے تھے تو آخر کیا ایسا کیا برا کام کیا جس پر آسمان سر پر اٹھا لیا جائے؟ ایسے ظالموں کا علاج تو سیدھی سادی باتوں سے ہونے والا تھا ہی نہیں، اگلے تجربات نے اس حقیقت کو سچ کر دکھا دیا کہ جب تک مسلمان اپنے حق کیلئے سر بکف میدان میں نہیں آئے ان کفار کی شرارتوں میں کمی نہیں آئی۔

صلح حدیبیہ کس نے توڑی؟

اسلام کی امن پسندی کی حد یہ ہے کہ ہجرت فرمانے کے چھ سال بعد سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کی نیت سے صحابہ کے ساتھ مکہ کا سفر فرمایا تو مکہ کے کافروں نے حدیبیہ کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا اور عمرہ کے لئے مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا آپ نے بہت کہا کہ ہمارا مقصد کوئی جنگ نہیں، ہم احرام باندھ کر آئے ہیں، عمرہ کر کے ہم واپس چلے جائیں گے مگر یہ ضدی اور ہٹ دھرم ظالم مان کر نہیں دئے، بالآخر بعد میں مسلمانوں نے بظاہر دب کر ایک ناجنگ معاہدہ کیا جسے ’’صلح حدیبیہ‘‘ کہا جاتا ہے، اس میں یہ طے کیا گیا تھا کہ

آئندہ دس سال تک کفار مکہ سے کوئی جنگ نہیں ہوگی اور یہ کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہوکر مدینہ چلا جائے گا تو اسے مدینہ میں رہنے نہیں دیا جائے گا اس کے برخلاف اگر کوئی مسلمان مرتد ہوکر مکہ آجائے گا تو اس کی واپسی ضروری نہ ہوگی، اسی طرح یہ بھی طے ہوا تھا کہ عرب کے قبائل میں سے جو قبیلہ چاہے مسلمانوں سے یا قریش مکہ سے دوستی کا معاہدہ کرلے، چنانچہ بنوخزاعہ نے مسلمانوں سے اور بنوبکر نے کفار سے معاہدہ کرلیا، اس معاہدہ کی رو سے یہ لازم تھا کہ کوئی فریق دوسرے فریق پر حملہ نہ کرے؛ لیکن ابھی دو ہی سال گذرے تھے کہ قریش مکہ نے معاہدہ کو پاش پاش کرتے ہوئے اپنے حلیف بنوبکر کا خفیہ طور پر تعاون کرکے بنوخزاعہ پر حملہ کردیا اور ان پر ظلم وتعدی کا بازار گرم کیا جس کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جوابی کارروائی کرتے ہوئے مکہ کی طرف کوچ کرنا پڑا، اور اللہ نے فتح عطا فرمائی۔ (مستفاد: سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ۴/۱۴۱ وغیرہ)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مکہ والوں کی سرشت میں مسلمانوں سے بغض وعناد اور ان کی ایذا رسانی کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے اور انہوں نے امن انصاف کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھ دیا تھا؛ لہٰذا اُن کے خلاف جنگ کا اعلان دنیا میں امن وامان کی بقا کے لئے ناگزیر تھا، اور اس طرح کی صورت حال دنیا میں جب بھی اور جہاں بھی پائی جائے گی اس کے تدارک کے لئے کارروائی کرنا لازم اور ضروری ہوگا اسی کارروائی کا نام ''جہاد'' ہے جو قیامت تک باقی اور جاری رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اسلام میں عہد کی پاس داری کا حکم

اسلام کی ایک اہم تعلیم یہ ہے کہ اگر کسی فرد یا جماعت یا قوم سے کوئی معاہدہ کرلیا گیا تو اس معاہدہ کی خلاف ورزی جائز نہیں اگرچہ یہ معاہدہ غیر مسلموں کے ساتھ کیوں نہ ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعہدی اور غداری کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''میدان محشر میں ہر غدار کی غداری کے بقدر ایک جھنڈا اس کے ساتھ لگا دیا جائے گا (جو اس کی سخت رسوائی کا سامان ہوگا)۔ (مسلم شریف ۲/۸۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو آپ نے مدینہ کے اطراف میں رہنے والے قبائل سے ایک مشترکہ معاہدہ کیا جسمیں ہر شہری کے جان و مال کے تحفظ اور دشمن سے بچاؤ کے لئے مشترک اقدام کرنے کیلیئے عہد لیا گیا تھا۔ چنانچہ جب تک متعلقہ فریق اس معاہدہ پر کار بند رہے اور انہوں نے عہد نہیں توڑا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انکے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ بعد میں جو بھی کارروائی ہوئی انکے عہد توڑنے کے بعد ہوئی۔ اسی طرح جب کفار مکہ سے صلح حدیبیہ ہوگئی تو جب تک کفار مکہ عہد کے پابند رہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی جنگ نہیں کی۔ جو بھی جنگ ہوئی انکے عہد توڑنے کے بعد ہوئی۔

اور یہی حکم قیامت تک باقی ہے کہ جو مسلمان جب بھی اور جہاں بھی کسی عہد سے وابستہ ہوں تو انھیں اس عہد کی پابندی لازم ہے۔ جب تک وہ عہد موجود ہے اسکی خلاف ورزی انکے لئے صحیح نہیں ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کی شرعی حیثیت

ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کی شرعی پوزیشن یہ ہے کہ یہاں کا ہر شہری ایک جمہوری دستور کا پابند ہے۔ مسلمان بھی اس جمہوری آئین کو قبول کرتے ہیں جس میں ملک کے ہر شہری کے جان و مال کی تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے؛ لہٰذا اس عہد کی پاس داری کرتے ہوئے جب تک بھی یہ دستور موجود ہے یہاں کے رہنے والے مسلمانوں کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ ملک کے غیر مسلم بے قصور شہریوں پر کسی طرح کا جانی یا مالی ظلم کریں۔ ہاں اگر کوئی فرد یا جماعت دستور کو توڑتے ہوئے خواہ مخواہ مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے لگے تو پھر مسلمانوں کو اپنے دفاع کا حق یقیناً حاصل ہوگا اور ایسے مجرموں کو جو ملک کے دستور کی دھجیاں اڑائیں سبق سکھانے کے لئے ہر قانونی راستہ اپنانے کی اجازت ہوگی۔ تاہم یہ کاروائی صرف قصورواروں تک محدود رہنی چاہیئے اور جو غیر مسلم شہری امن پسندی کے ساتھ یہاں صدیوں سے رہتے چلے آرہے ہیں اُن کے جان و مال پر کسی قسم کی دست درازی کی اجازت نہ ہوگی۔

لہٰذا وشو ہندو پریشد نے جو آیات قرآنیہ پیش کی ہیں انکا زیادہ تر تعلق معاہدہ کے حالات سے نہیں؛ بلکہ جنگ کے حالات سے ہے۔اس لئے ان آیات کی وجہ سے ہمارے ہندوستانی غیر مسلم شہریوں کو خوف زدہ یا بدظن ہونے کی کوئی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ یہ غیر مسلم شہری مسلمانوں کے ساتھ ایک عہد میں مربوط ہیں، جس کی پاس داری ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ خود بھی امن سے رہیں اور دوسروں کو بھی امن سے رہنے دیں، ان آیات کا ہندوستان کے موجودہ حالات پر انطباق کر کے مغالطہ پیدا کرنا شر انگیزی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

آج ضرورت ہے

واقعۃً آج اس بات کی ضرورت ہے کہ غیر مسلم حضرات تعصب کی عینک اُتار کر آیات قرآنیہ اور اسلامی احکامات کا مطالعہ کریں، اور ساتھ میں مسلمانوں کی موجودہ حالت پر بھی غور کریں اور اقوامِ عالم کی طرف سے اُمتِ مسلمہ پر جو برابر مظالم ہوتے آئے ہیں اور ہو رہے ہیں، ان پر بھی انصاف کے ساتھ نظر ڈالیں اور پھر فیصلہ کریں کہ حالات کے تقاضے کیا ہیں؟ اور دنیا میں امن کیسے قیام ہو سکتا ہے؟

دوسری طرف خود مسلمانوں کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ کردار اور امتیازی اخلاق کا مظاہرہ اپنے غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ کریں، تاکہ ان کے دلوں سے نفرت کا غبار چھٹ سکے اور دشمنوں نے جو خمار انکے دماغ میں بھر دیا ہے اسکو مٹایا جا سکے، یہی امن کا راستہ ہے، اسکے بغیر امن کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ سارے عالم میں امن و امان قائم فرمائے، فتنہ پروروں کی فتنہ انگیزیوں سے انسانیت کو محفوظ رکھے، اور ظالموں کو ان کے انجام تک پہنچائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی، دسمبر ۲۰۰۲ء)

قابلِ اعتراض آیاتِ قرآنیہ

کا صحیح مطلب

''ہندورائٹرس فورم'' نئی دہلی نے قرآن کریم کی ان ۲۴/آیات کا ترجمہ جاری کیا ہے، جو ہندوشدت پسندوں کے نزدیک قابل اعتراض ہیں، اور جن کے رہتے ہوئے اُن کے بقول مسلمانوں اور غیر مسلموں میں باہمی رواداری اور اعتماد پیدا نہیں ہوسکتا۔ ان اعتراضات کا اُصولی جواب گذشتہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔ اَب مزید وضاحت کے لئے مذکورہ ۲۴/آیات کی تشریح؛ کتب تفسیر وحدیث کی روشنی میں پیش کی جارہی ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکے گا کہ یہ اعتراضات کس قدر بے وزن اور حقیقت سے دور ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

ظالم کفار کو سبق سکھانے کا حکم

آیت نمبر(۱):- فَإِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ، فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ، إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (التوبة: ۵)

ترجمہ:- اور جب اشہرحرم (امن کے مہینے) گذر جائیں تو ان مشرکین کو جہاں پاؤ ماروا ور باندھو اور داؤ گھات کے موقعوں میں ان کی تاک میں بیٹھو، پھر اگر کفر سے توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں، اور زکوۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں۔

پس منظر:- یہ اعلان عام نہیں ہے کہ جس کافر کو جہاں پاؤ قتل کردو؛ بلکہ ایک خاص پس منظر میں ۹ ؍ہجری میں حج کے موقع پر یہ اعلان کیا گیا تھا کہ جو طاقتیں مسلسل اور بلا وجہ اسلام دشمنی اور عہد شکنی کی مرتکب ہوتی آرہی تھیں، اُن سے سختی سے نمٹا جائے؛ کیوں کہ اسلام کی آمد کے بعد ۲۲ ؍سالہ تجربہ نے یہ باور کرادیا تھا کہ اُن دشمنوں کے ساتھ نرمی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ان کے شر اور فتنہ سے بچنے کے لئے اُن کے ساتھ سختی سے پیش آنا ضروری تھا، ورنہ ان کے دوبارہ سر اٹھانے کا حقیقی خطرہ موجود تھا، اس لئے قرآن کریم میں ان مشرکین کی سرشت بیان کرتے ہوئے آگے اسی سورت میں اِرشاد فرمایا ہے:

كَيْفَ وَإِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ.

(التوبۃ: ۸)

کیسے ان کا عہد قابل قبول ہوگا حالانکہ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ کہیں تم پر غلبہ پاجائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول وقرار کا، یہ لوگ تم کو اپنی زبانی باتوں سے راضی کررہے ہیں اور ان کے دل ان باتوں کو نہیں مانتے، اور ان میں زیادہ آدمی شریر ہیں۔

اس آیت میں جن مشرکین کی کیفیت بیان کی گئی ہے انہی جیسے شریر دشمنان اسلام کے لئے وہ حکم ہے جو اوپر آیت میں دیا گیا ہے کہ انھیں بالکل بچ کر جانے نہ دیا جائے۔

اِس کے برخلاف جو مشرکین ایسے نہ ہوں؛ بلکہ وہ صلح جو ہوں اور امن اور وفاداری کے ساتھ رہنا چاہیں تو ان کے ساتھ احسان کرنے یا فدیہ یا جزیہ لے کر چھوڑ دینے کا حکم ہے جیسے قرآن کریم میں سورۂ محمد کی دوسری آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ (مستفاد: الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۸؍۷۴، تفسیر ابن کثیر ۵۹۸ وغیرہ)

بہر حال اس آیت کا تعلق برسرِ پیکار دشمنوں سے ہے عام کفار ومشرکین سے نہیں ہے اس حکم کو مطلق بیان کر کے غلط فہمی پھیلانا محض شر انگیزی ہے۔

مشرکین کی نجاست؟

آیت (۲):- یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا. (التوبة :۲۸)

ترجمہ:- اے ایمان والو! مشرک (بوجہ عقائد فاسدہ کے) نرے ناپاک ہیں،سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پاویں۔

پس منظر:- مشرکین مکہ، زمانہ جاہلیت سے ہی بیت اللہ شریف اور مقامات مقدسہ میں شرک وبت پرستی کی رسومات انجام دیتے آئے تھے، نیز بہت سے مشرکین مادر زاد ننگے ہونے کی حالت میں بیت اللہ شریف کا طواف کر کے گندگی پھیلاتے تھے،اس بنا پر حج ۹ رہجری کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذریعہ یہ اعلان کروادیا کہ اگلے سال (یعنی ۱۰ رہجری) سے نہ تو کسی مشرک کو (حج کے ارادہ سے) مسجد حرام میں آنے کی اجازت ہوگی اور نہ ہی کسی شخص کو ننگے ہونے کی حالت میں طواف کرنے کی اجازت دی جائے گی۔(تفسیر ابن کثیر ۴؍۲۰)

اور حضرات فقہاء ومفسرین کے نزدیک اس آیت میں مشرکین کی نجاست سے مراد ان کا ظاہری طور پر ناپاک ہونا نہیں ہے یعنی یہ مطلب نہیں کہ ہر مشرک کا بدن ناپاک قرار دیا جائے کہ اس کو چھونا اور ہاتھ لگانا منع ہو؛ بلکہ اس سے عقیدہ اور جذبات کی ناپاکی مراد ہے۔اور اس ناپاکی کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے اصل خالق و مالک کو بھول کر اپنے ہی ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو پوجنے لگے اور انہی بتوں کو اپنے لئے نفع نقصان میں مؤثر سمجھنے لگے تو ظاہر ہے کہ عقل وانصاف کی رو سے اس کی فکر کو پاک فکر ہر گز نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اسے فکری ناپاکی سے ہی تعبیر کرنا مناسب ہوگا، چنانچہ خود ''ہندومت'' کے ویدوں میں بھی بت پرستی کی مذمت کی گئی ہے؛ لہٰذا قرآنِ کریم نے اگر شرک کو ناپاکی سے تعبیر کردیا تو کوئی خلاف واقعہ بات نہیں کہی؛ بلکہ حقیقت کو صحیح معنی میں اُجاگر کردیا ہے، اس میں کسی کو ناراض ہونے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ اپنی اصلاح کر کے پاک ہونے کی ضرورت ہے۔

کفار کی دشمنی

آیت(۳):- إِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا. (النساء ۱۰۱)

ترجمہ:- بلاشبہ کافرلوگ تمہارے صریح دشمن ہیں۔

پس منظر:- قرآن کریم کے نزول کے وقت کفار کی دشمنی اظہر من الشّمس تھی، کفار تاک میں رہتے تھے کہ راستہ میں بھی اگر کہیں مسلمان غفلت کی حالت میں ملیں تو انھیں نقصان پہنچایا جائے۔اسی ضمن میں یہ حکم نازل ہوا کہ چوں کہ سفر کے دوران لمبی نماز پڑھنے میں کفار کی طرف سے خطرہ ہوسکتا ہے؛ لہٰذا نماز میں تخفیف کر کے قصر نماز پڑھی جائے۔(اب نماز میں قصر کا حکم عام ہے خواہ دشمن کا خوف ہو یا نہ ہو بہرحال شرعی سفر کے وجود کے وقت قصر ہی کا حکم ہے)اور پھر اس کی علت یہ بیان ہوئی کہ شر پسند کافروں کے دلوں میں اہل ایمان کی دشمنی پیوست ہے۔(النساء۱۰۱)

ایسے لوگوں نے اسلام اور اہل اسلام کی جڑ کاٹنے کی کوششیں کی ہیں اور برابر کر رہے ہیں، اس لئے قرآن کریم نے ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہی اپنے ماننے والوں کو متنبہ کر دیا تھا کہ جو لوگ تم سے کھلی دشمنی رکھتے ہیں ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔اس اعلان سے نفرت پیدا کرنا مقصود نہیں؛ بلکہ اس کا منشاء ملت کو دشمنوں سے محتاط رہنے کی تاکید کرنا ہے۔اب جو لوگ اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیں کہ وہ ملت اسلامیہ کے دشمن نہیں ہیں تو ظاہر ہے کہ قرآن ان سے خواہ مخواہ دشمنی برتنے کی تعلیم نہیں دیتا؛ بلکہ عہد کی پابندی کی تلقین کرتا ہے۔

کفار سے قتال

آیت(۴):- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً. (التوبة: ۱۲۳)

ترجمہ:- اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس رہتے ہیں، اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہئے۔

وضاحت:- یہ حکم ایک سیاسی حکمت عملی پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب دشمن قریب

سے دور تک پھیلے ہوئے ہوں، تو دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اول قریب والوں کو زیر کیا جائے اور ان سے نپٹنے کے بعد دور والوں کو سبق سکھایا جائے اگر اس کے برعکس معاملہ کیا جائے گا تو کبھی بھی کامیابی نہ مل پائے گی، اور دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ کبھی بھی دشمن کے مقابلہ میں کمزوری اور ڈھیلے پن کا اظہار نہ کرنا چاہیے۔ ورنہ اپنی فوجوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور دشمن کے حوصلے بلند ہو جائیں گے، الغرض یہ دونوں ہدایتیں جنگی حالات سے متعلق ہیں امن اور معاہدہ کی صورت میں قتال وخونریزی کا نہ کوئی مطلب ہے اور نہ ضرورت۔ لہٰذا اس آیت کو نفرت انگیز قرار دینا محض غلط ہے۔

کفار کو جہنم میں عذاب

آیت (۵):- اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا، كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِیْزًا حَكِیْمًا. (النساء: ٥٦)

ترجمہ:- بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے ہم ان کو عن قریب ایک سخت آگ میں داخل کریں گے جب کہ ایک دفعہ ان کی کھال جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری کھال پیدا کر دیں گے؛ تا کہ عذاب ہی بھگتتے رہیں، بے شک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔

وضاحت:- اس طرح کی آیتوں کا تعلق اسلام کے عقیدۂ آخرت سے ہے۔ اسلام کی نظر میں اہل ایمان کو مرنے کے بعد جنت میں جگہ ملے گی جبکہ اسلام کو نہ ماننے والے جہنم میں جا کر عذاب میں گرفتار ہونگے اسی سخت عذاب کی ایک جھلک مذکورہ آیت میں بیان کی گئی ہے کہ جب آگ کی شدت سے مجرموں کی کھال جل جائے گی تو دوبارہ نئی کھال چڑھا دی جائے گی تا کہ عذاب کا تسلسل برابر جاری رہے۔ یہ اسلام کا حتمی عقیدہ ہے جس میں واقعتاً کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ دنیا میں رہتے ہوئے کفار کو اس طرح کا عذاب دینے کی ترغیب دیجائے یا ان کو ستانے اور جلانے پر ابھارا جائے۔ اسلام دنیا میں خواہ

مخواہ کے مظالم کو برداشت نہیں کرسکتا، آخرت میں جو کچھ ہوگا وہ تو مرنے کے بعد سامنے آجائے گا لیکن کفار سے دنیوی معاملات شرعی حدود کے دائرہ میں رہ کر اختیار کئے جائیں گے۔ اور ان کے ساتھ بھی ظلم روا نہیں رکھا جائے گا۔

غیر مسلم رشتہ داروں سے تعلق کا معاملہ

آیت(٦):- یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَ کُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَاءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ، وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ. (التوبۃ: ۲۳)

ترجمہ:- اے ایمان والو! اپنے باپوں کو، اپنے بھائیوں کو اپنا رفیق مت بناؤ، اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے عزیز رکھیں اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں۔

وضاحت:- اسلامی شریعت میں کسی کافر سے دوستی رکھنا مطلقاً منع نہیں ہے بلکہ صرف وہ دوستی منع ہے جس کی وجہ سے مسلمان اپنے کسی اسلامی شعار یا ایمانی عمل کرنے سے محروم ہو جائے، اس کے علاوہ انسانی ہمدردی، تجارتی تعلقات یا معاملات میں کسی غیر مسلم کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ صرف جائز بلکہ شرعاً پسندیدہ ہے۔ آیت مذکورہ میں صرف اس تعلق کی ممانعت ہے جو مذہبی اعتبار سے نقصان دہ ہو۔ دراصل اسلام اپنے ماننے والوں کو ایسی ایمانی پختگی عطا کرتا ہے، جس کے مقابلہ میں ہر طرح کے دنیوی تعلقات اور روابط ایک مومن کی نظر میں بے حیثیت بن جاتے ہیں۔ اور جب معاملہ ایمان کا آتا ہے تو پھر وہ اس پر کسی تعلق کو ترجیح نہیں دیتا۔

بعض حضرات مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ یہ خطاب دراصل ان مؤمنین اہل مکہ کو تھا جو ایمان لانے کے باوجود مدینہ منورہ کی طرف صرف اسی بنا پر ہجرت نہیں کر رہے تھے کہ ان کے والدین اور دیگر رشتہ دار مکہ میں بحالت کفر موجود تھے تو ان سے خطاب کر کے انہیں آمادہ کیا گیا کہ وہ ایمانی تقاضے پر عمل کرتے ہوئے جلد از جلد ہجرت کریں اور اس راہ میں رشتہ داری کو خیال میں نہ لائیں۔ (تفسیر قرطبی ۲۰/۸)

بہرصورت شانِ نزول کچھ بھی ہو آیت کا مفہوم عام ہے، کہ ایک مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ ایمان کے مقابلہ میں نہ تو کفر کو پسند کرسکتا ہے اور نہ کفار سے ایسا تعلق اس کے لئے روا ہے جو اس کے ایمان پر اثرانداز ہوجائے۔

کفار ہدایت سے محروم کیوں؟

آیت(۷):- وَاللّٰهُ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ. (التوبة: ۳۷)

ترجمہ:- اور اللہ تعالیٰ (ایسے) کافروں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔

وضاحت:- اللہ تعالیٰ نے جب سے دنیا پیدا فرمائی ہے سال میں بارہ قمری مہینے مقرر فرمائے ہیں، جن میں سے چار مہینے (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) اشہر حرم کہلاتے ہیں، ملّتِ ابراہیمی میں ان چار مہینوں میں قتل وقتال اور شکار کرنا منع تھا لیکن عرب کے مشرکین نے اپنی قتل وغارتگری کی عادت کی بنا پر اس قدرتی نظام کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا۔ جب چاہتے اپنی نفسانی ضرورت سے اشہر حرم کو آگے پیچھے کرلیتے کبھی محرم کو صفر کبھی صفر کو محرم اور اسی طرح کا معاملہ دیگر مہینوں کا بھی تھا۔

قرآن کریم میں ان کے اس عمل پر شدید نکیر فرمائی گئی، اور اس بارے میں پوری آیت اس طرح نازل ہوئی:

اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِى الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ يُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَاحَرَّمَ اللّٰهُ، زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ، وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ.

(التوبة: ۳۷)

(مہینوں کا) ہٹا دینا کفر میں اور ترقی ہے، جس سے کفار گمراہ کئے جاتے ہیں، حلال کرلیتے ہیں اس مہینے کو ایک برس اور دوسرے سال حرام رکھتے ہیں؛ تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو مہینے حرام کئے ہیں ان کی گنتی پوری کرلیں، پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کرلیتے ہیں، ان کی بداعمالیاں ان کو اچھی معلوم ہوتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔

یہ ہے پوری آیت! جسکا صرف آخری جز فرقہ پرستوں نے نفرت انگیزی کے لئے ما قبل سے کاٹ کر پیش کیا ہے جب کہ پوری آیت میں ان کافروں کے اصل جرم کی قلعی کھول دی گئی ہے، اور کوئی بھی منصف مزاج شخص مہینوں کے الٹ پھیر کے جرم کو نظر انداز نہیں کر سکتا، یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی آدمی اپنے مفاد کی خاطر جنوری کو دسمبر کہنے لگے اور دسمبر کو جنوری، تو اس جھوٹ کو دنیا ہرگز قبول نہیں کرے گی۔ اور ایسے ضدی اور ہٹ دھرم کفار کو ہدایت بھی نصیب نہ ہو گی۔ اور اس کے علاوہ بھی قرآن کریم میں جہاں بھی اس طرح کی آیات آئی ہیں ان کا تعلق کفار کے ایسے ہی جرائم سے ہے، اس لئے ان آیات کو اصل بدعملیوں سے ہٹ کر نہیں دیکھنا چاہیئے۔

کن کافروں سے دوستی منع ہے؟

آیت (۸):- یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ الْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ، وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. (المائدہ: ۵۷)

ترجمہ:- اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے جو ایسے ہیں کہ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو۔

وضاحت:- اس آیت میں دراصل غیر مسلموں سے دلی تعلق اور دوستی رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس کی علت بھی خود آیت ہی کے اندر موجود ہے، وہ علت یہ ہے کہ اگر ایک مؤمن کافر سے دلی تعلق رکھے گا تو رفتہ رفتہ یہ تعلق اتنا بڑھ سکتا ہے کہ کافر کی مذہبی رسومات اور طور طریقوں کی عظمت اس مؤمن کے دل میں بھی پیدا ہو جائے اور وہ بھی یہود و نصاریٰ وغیرہ کی طرح دین کو ہنسی مذاق سمجھنے لگے، جیسا کہ تجربہ سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ جب دوستی دل کی گہرائی تک پیوست ہو جاتی ہے تو دوست کی ہر اچھی بری بات پسند آنے لگتی ہے تو قرآن کریم ایمان کی قیمت پر کفار سے دوستی کو قطعاً ناپسند کرتا ہے، ہاں اگر تعلق اس درجہ کا نہ ہو، مثلاً غیر مسلم مہمان کی

خاطر مدارات، تجارتی شرکت، غیر مسلم پڑوسیوں کے حقوق کا خیال یا انسانی ہمدردی کی بنیاد پر تعلق ہو تو اس میں شریعت وسعت ظرفی کے ساتھ اجازت دیتی ہے اور اس کی شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے، قرآن کریم کی کسی ایک آیت کو دیکھ کر اپنے مطلب کی بات نہیں سمجھی جاسکتی بلکہ اس موضوع کی سبھی آیات، احادیث شریفہ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ مبارکہ کو سامنے رکھ کر حقیقی اسلامی تعلیمات تک پہنچا جاسکتا ہے۔ (ملخص از: معارف القرآن ۲/۵۰-۵۱)

اسلام تمام غیر مسلموں کے ساتھ رواداری سے منع نہیں کرتا، بلکہ وہ صرف برسر پیکار دشمنوں سے مسلمانوں کے علی الرغم تعلق سے خبردار کرتا ہے، اور یہ بات عقل وانصاف کے عین مطابق بھی ہے اس لئے کہ کوئی بھی دانشمند حالت جنگ میں دشمنوں سے پینگیں بڑھانے کو درست قرار نہیں دے سکتا، قرآن کریم میں دوسری جگہ اس کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ، وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ، قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ، وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ.

(آل عمران: ۱۱۸)

اے ایمان والو! اپنوں کے علاوہ کسی غیر کو راز دار خصوصی مت بناؤ وہ (غیر) تمہاری مضرت رسانی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے، وہ تمہیں نقصان پہنچانے کی تمنا کرتے ہیں، ان کی زبانوں سے دشمنی نکلی پڑتی ہے، اور جو کچھ ان کے دل میں مخفی ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔

ایسے لوگ جو طبعی طور پر مسلمانوں سے کینہ رکھیں اور زبان کی ہفوات سے زیادہ عداوت کی گندگی انکے دلوں میں بھری ہوئی ہو تو ایسے لوگوں سے دلی تعلق ایمانی غیرت کو ہرگز گوارا نہیں ہوسکتا، ہاں جو لوگ ان صفات کے نہ ہوں، ان سے رواداری برتنا شریعت کا حکم ہے۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ ایسے موقع پر مسلمانوں نے رواداری میں کبھی کوئی دریغ نہیں کیا، خود ہندوستان میں مسلم بادشاہوں نے اگر رواداری کا نمونہ پیش نہ کیا ہوتا تو آج اس ملک کی آبادی کا نقشہ موجودہ تناسب سے یقیناً مختلف ہوتا، یہ ان حکمرانوں کی عظیم الشان رواداری ہی کا نتیجہ ہے کہ کئی صدیوں تک مسلم حکومت رہنے کے باوجود یہاں غیر مسلموں کو برابر عزت واحترام حاصل رہا ہے اور ان

کی کوئی حق تلفی نہیں کی گئی، اس کے برعکس وہ آج اقتدار کے گلیاروں پر پہنچ کر جس تعصب و امتیاز کا مظاہرہ کر رہے ہیں وہ ان کی تنگ نظری کی کھلی دلیل ہے۔

منافقوں کو پھٹکار

آیت(۹):- مَلْعُوْنِيْنَ، اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا. (الاحزاب: ٦١)

ترجمہ:- پھٹکارے ہوئے، جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جائے گی۔

پس منظر:- اس آیت کا تعلق دور نبوت میں مدینہ منورہ میں رہنے والے شرارت پسند اور فتنہ پرور منافقین سے ہے، یہ لوگ زبانی طور پر اسلام کا اظہار کرتے تھے مگر اندر اندر کافر تھے اور ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے، مسلمان عورتوں کے ساتھ چھیڑ خانی کرتے اور افواہیں پھیلا کر معاشرہ میں انتشار برپا کرنے میں طاق تھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ان منافق کفار کو اس طرح آگاہ کیا گیا:

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا، مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا. (الاحزاب ٦٠-٦١)

البتہ اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دل میں مرض ہے، اور مدینہ میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے، تو ضرور ہم آپ کو ان پر مسلط کریں گے، پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پاویں گے، وہ بھی ہر طرف سے پھٹکارے ہوئے، جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جاوے گی۔

ظاہر ہے کہ کوئی بھی حکومت ایسے مجرموں کے ساتھ ڈھیل کا معاملہ نہیں کر سکتی جن کی وجہ سے معاشرہ کا سکون برباد ہو اور لوگوں کی عزتیں محفوظ نہ ہوں، ان کے ساتھ سختی کرنا عین تقاضائے انصاف ہے۔ یہاں ان منافقوں کو جو بھی سزا دی جا رہی ہے وہ ان کے کالے کرتوتوں کی بنا پر ہے، ان کے جرائم سے صرف نظر کر کے محض سزا والے جملوں کو نقل کر دینا اور پھر انھیں

مطلقاً تمام دنیا کے ہر طرح کے کفار پر منطبق کرنا محض تلبیس اور دھوکہ دہی ہے جس کا مقصد سوائے اشتعال انگیزی کے کچھ نہیں، اگر یہ آیت تمام غیر مسلموں کے لئے عام ہوتی تو کسی اسلامی اقتدار میں کوئی غیر مسلم سانس بھی نہیں لے سکتا تھا، مگر دنیا نے دیکھا کہ اسلامی اقتدار میں غیروں کو جو تحفظات حاصل رہے وہ اپنی مثال خود آپ ہیں، اس لئے اس آیت کا تعلق عام کفار سے ہے ہی نہیں، یہ تو صاف طور پر مجرموں سے متعلق ہے۔ (معارف القرآن وغیرہ ۲۳۵/۷)

معبودانِ باطلہ جہنم میں

آیت (۱۰):- اِنَّکُمْ وَمَاتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ، اَنْتُمْ لَھَا وَارِدُوْنَ. (الانبیاء: ۹۸)

ترجمہ:- بے شک تم (اے مشرکین) اور جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو سب جہنم میں جھونکے جاؤ گے، تم سب اس میں داخل ہو گے۔

وضاحت:- اسلام کی نظر میں شرک بدترین گناہ ہے، اور یہ بات ساری دنیا جانتی ہے کہ اسلام کی بنیادی تعلیم وحدانیت کی ہے، قرآن کریم میں دسیوں جگہ شرک کی سخت مذمت اور وحدانیت کی نہایت تاکید وارد ہوئی ہے، اور جابجا غیر اللہ کی عبادت کے بطلان پر مضبوط دلائل دیئے گئے ہیں، انہی میں سے ایک مذکورہ آیت بھی ہے جس کے مضمون کی تکمیل اگلی آیت پر ہوتی ہے پہلے یہ بیان کیا گیا کہ مشرکین اور انکے معبودان باطلہ جن پر یہ مشرکین پوری زندگی بھر وسہ کئے رہے اور انکی پوجا اور نذر و نیاز کر کے یہ سمجھتے رہے کہ یہ ہمارے آڑے وقت میں کام آئیں گے، اللہ نے فرمایا کہ وہ تمہیں کیا بچاتے خود بھی نہیں بچ پائیں گے، اس کے بعد آگے ان معبودوں کے غلط ہونے پر دلیل اس طرح قائم فرمائی:

لَوْ کَانَ ھٰٓؤُلَآءِ اٰلِھَةً مَّا وَرَدُوْھَا. وَکُلٌّ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ. (الانبیاء: ۹۹)	اور اگر یہ (تمہارے معبود، واقعی) معبود ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے، اور سارے اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

یعنی آخرت میں جب ان معبودوں کے پجاریوں کو مدد کی سخت ضرورت ہوگی تو معبودوں کی جان کے خود ہی لالے پڑے ہوں گے، اگر ان میں کچھ دم ہوتا اوران کو واقعۃً کچھ اختیارات حاصل ہوتے تو وہ ہرگز عذاب میں گرفتار نہ ہوتے، حالاں کہ ان کا عذاب میں مبتلا رہنا بالکل طے شدہ ہے، تو معلوم ہوا کہ ان کا معبود ہونا بھی محض ڈھونگ ہے، نفع نقصان کچھ ان کے اختیار میں نہیں ہے۔ الغرض آیت ۹۸ کو آیت ۹۹ سے ملا کر دیکھنا چاہئے، اس کے بغیر صحیح مطلب تک رسائی نہیں ہوسکتی۔ اور دونوں کو ملا کر دیکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آیت کا تعلق وحدانیت کے اثبات کے مضمون سے ہے، اورعقیدۂ توحید اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے وہ کسی کو اچھا لگے یا برا لگے اس کی بنا پر عقیدہ میں ترمیم یا تبدیلی کا نعوذ باللہ خیال بھی دل میں نہیں لایا جاسکتا۔

سب سے بڑا ظالم

آیت (۱۱):- وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّه ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا، اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ. (الم السجدة: ۲۲)

ترجمہ:- اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں، پھر وہ ان سے اعراض کرے، ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے۔

وضاحت:- اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا، پھر اُس کو راہ ہدایت بتانے کے لئے پیغمبروں کو بھیجا اور آیتیں اتاریں، کتابیں عطا کی گئیں اور انھیں سمجھانے والے داعیان بھی آتے رہے اب اگر کوئی شخص ان خدائی آیتوں کو نہ مانے اور پیغمبروں کا انکار کرتا رہے اور اس طرح اپنے رب کی نافرمانی کا مرتکب ہو اور اپنے خالق و مالک کو بھلا بیٹھے تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑا بے انصاف اور ظالم شخص کون ہوسکتا ہے؟ اور جو بھی ایسے جرم کا ارتکاب کرے گا خدائے برتر اس سے بدلہ لے گا، یہ نہایت معقول بات ہے جو قرآن کریم میں متعدد جگہ ارشاد فرمائی گئی ہے؛ لہٰذا اس میں کسی کو ناراض ہونے کی ضرورت نہیں، اگر عذاب سے بچنے کا واقعی جذبہ ہے تو اس کی واحد صورت یہ ہے کہ انکار و اعراض کی راہ چھوڑ کر تسلیم و انقیاد کا راستہ اپنایا جائے، ورنہ خدا کی

نافرمانی اوراس سے اعراض کوکوئی بھی عقل وہوش رکھنے والاشخص قابل معافی جرم نہیں مان سکتا، یہ جرم اتنا سخت ہے کہ اس سے چشم پوشی کرنے والاشخص خود ہی نا قابل معافی سزا کا مستحق ہے۔ ہمارے برادران وطن کو چندفتنہ پروروں کے کہنے میں آکر ایسی آیتوں پر برافروختہ ہونے کے بجائے انصاف کی نظر سے اُن آیات خداوندی کا مطالعہ کرنا چاہئے جن سے اعراض کرنے کو قرآنِ کریم نے نا قابل معافی جرم قرار دیا ہے۔ جب وہ گہری نظر سے قرآن کی واضح اخلاقی ہدایات اور مظاہرقدرت کے کھلے ہوئے دلائل کا مشاہدہ کریں گے تو اُنہیں خود ہی اندازہ ہوجائے گا کہ ان کھلی ہوئی باتوں کا انکار ظلم ہے یا نہیں؟۔

مال غنیمت کی حلت

آیت(۱۲):- وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا. (الفتح: ٢٠)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کررکھا ہے جن کوتم لوگے۔

آیت(۱۳):- فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلاً طَيِّبًا. (الانفال: ٦٩)

ترجمہ:- سوکھاؤ جوتم کوغنیمت میں ملا حلال ستھرا۔

وضاحت:- اِن دونوں آیتوں میں مال غنیمت کے حلال ہونے کا تذکرہ ہے جس کا ترجمہ ہندوشرارت پسندوں نے بریکٹ میں ''لوٹ'' کا کرکے اشتعال دلانے کی کوشش کی ہے، اورایسا تاثر دیا گیا ہے کہ گویا قرآن میں مطلقاً لوٹ مار کرکھانے کی ترغیب دی گئی ہے، حالانکہ یہ بات سرے سے غلط ہے مال غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے، جوشرعی شرائط وحدود پر جہاد کرنے کے بعد دشمنوں سے حاصل ہوا ہو، خواہ مخواہ کسی غیر مسلم سے لوٹ مار کرکے حاصل شدہ مال ہرگز مال غنیمت نہیں کہلایا جاسکتا، اوردشمنوں سے حالت جنگ میں مال لینا یاان کی معیشت پر قبضہ کرکے ان کی اقتصادیات کوتباہ کردینا بسا اوقات نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہوجاتا ہے تاکہ وہ آئندہ شرارت نہ پھیلاسکیں، عقل وانصاف کی رو سے یہ کوئی ناگواری کی بات نہیں ہے، الغرض غنیمت لوٹ نہیں بلکہ دشمنوں کواقتصادی سزا دینے کا طریقہ ہے۔اور یہ معاملہ صرف دشمنوں سے ہی کیا

جاسکتا ہے، جو کفار پرامن رہتے ہوں، یا ان سے اسلامی حکومت کا معاہدہ ہو تو ان کے جان مال پر دست درازی اسی طرح حرام ہے جیسے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی حق تلفی حرام ہوتی ہے؛ لٰہذا پرامن کفار کو مال غنیمت کی حلت کے حکم سے پریشان ہونے کوئی ضرورت نہیں ہے۔

کفار منافقین سے جہاد

آیت (۱۴):- یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ، وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ، وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ. (التحریم: ۹)

ترجمہ:- اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار سے اور منافقین سے جہاد کیجئے، اور ان پر سختی کیجئے، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بری جگہ ہے۔

وضاحت:- اس آیت کے پس منظر میں ان مظالم کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جو کفار و منافقین کی طرف سے اہل اسلام پر ہوتے آرہے تھے، جن کی پیش بندی کے لئے ان دشمنوں سے جہاد کرنے اور ان سے سختی سے نپٹنے کا حکم دیا گیا، قرآن کریم کی دیگر آیات کو سامنے رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قتل وقتال کا حکم ہر کافر کے ساتھ نہیں ہے؛ بلکہ انہی کفار کے ساتھ ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہوں، اور جو جنگ کے بغیر اپنی شرارتوں سے باز آنے پر تیار ہی نہ ہوں، رہ گئے وہ کفار جو اس صفت کے نہ ہوں تو انکے بارے میں یہ حکم نہیں ہے، بلکہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی قرآن وسنت میں تعلیم دی گئی ہے۔

آخرت میں کفار کا انجام

آیت (۱۵):- فَلَنُذِیْقَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَذَاباً شَدِیْداً وَّلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. (حم السجدة: ۲۷)

ترجمہ:- سو ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھادیں گے، اور ان کو برے برے کاموں کی سزا دیں گے۔

آیت(۱۶):- ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ، لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ، جَزَآءً بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ. (حم السجدة: ۲۸)

ترجمہ:- یہی سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی، یعنی دوزخ، اُن کے لئے وہاں ہمیشگی کا مقام ہوگا، اس بات کے بدلے میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

وضاحت:- مذکورہ دونوں آیتوں میں اسلام کے عقیدۂ آخرت کے بموجب کفار کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ ان اعلانات کی حقیقت کا پتہ یہاں دنیا میں نہیں لگایا جا سکتا، یہ حقیقت تو مرنے کے بعد ہی معلوم ہوگی کہ کون عذاب میں ہے اور کون راحت میں؟ اس لئے جس کو آیات خداوندی پر یقین ہے وہ عذاب والے عقائد و اعمال سے بچنے کی کوشش کرے اور جسے آخرت پر یقین ہی نہ ہو اس کے لئے ایسے سب اعلانات بے معنی ہیں، جب وہ اسے حقیقت ہی نہیں سمجھتا تو اس سے خوف زدہ یا دہشت زدہ ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے، جیسا کہ مکّہ کے مشرکین کے سامنے جب اس طرح کی آیات پڑھی جاتی تھیں تو وہ صاف کہتے تھے کہ یہ تو سب پرانی باتیں ہیں اب مرنے کے بعد ہمیں دوبارہ زندگی ملنے والی نہیں ہے، اسی طرح آج جو آخرت کے منکر ہیں اُنہیں بھی کفار کی سزا والے قرآنی اعلانات سے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں وہ سب موت کا انتظار کریں پھر خود ہی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

جان و مال کی قربانی کے بدلہ میں جنت کا وعدہ

آیت(۱۷):- اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ، يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ. (التوبة: ۱۱۱)

ترجمہ:- بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ اُن کو جنت ملے گی، وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔

وضاحت:- اِس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو جنت کی خوش خبری سنائی

ہے، جو دراصل دین کے لئے ان کی طرف سے پیش کردہ جانی اور مالی قربانیوں کا صلہ ہے۔ اہل ایمان کو دشمنوں کے نرغہ سے بچانے کے لئے اگر جان کی بازی لگانی پڑے تو بھی مؤمن کو ہر وقت تیار رہنا چاہئے، اور ظاہر ہے کہ جب دشمنوں سے جنگ کی نوبت آئے گی تو دونوں باتیں ہونگی کبھی دشمن مارے جائیں گے اور کبھی مؤمن کو شہادت نصیب ہوگی بہرکیف اس آیت کا مقصد دین کے لئے قربانی دینے کے اسی جذبہ سے ہے، اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ خواہ مخواہ کفار سے جنگ کی جائے یا بے قصوروں کو ستایا جائے وغیرہ، بلکہ اہل ایمان کی ایک صفت بیان کی گئی کہ جب جانی یا مالی قربانی کا موقع آتا ہے (جو ایک ناگزیر حالت ہے یعنی جب قتال کے علاوہ کوئی راستہ ہی تحفظ دین کا باقی نہ رہے) تو مؤمنین کی شان یہ ہے کہ وہ کسی طرح کی بھی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ یہ جذبہ اللہ کے یہاں اتنا گراں قدر ہے کہ اسکے بدلہ میں جنت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا اس آیت کو کفار کی دشمنی کے بجائے اہل ایمان کے ایمانی جذبات کے تناظر میں دیکھنا چاہیئے جو آیت کا اصل مقصود ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں یہ جذبہ بیدار نہ رہتا تو دشمنان دین کب کے دین کو مٹانے میں کامیاب ہو چکے ہوتے، امت میں اس جذبہ کا وجود ہی بظاہر اسباب آج دنیا میں دین کی بقا کا سبب بنا ہوا ہے۔

منافقین و کفار جہنم میں

آیت (۱۸):- وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا، هِيَ حَسْبُهُمْ، وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ، وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ. (التوبة: ٦٨)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور علانیہ کفر کرنے والوں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور وہ ان کے لئے کافی (سزا) ہے، اور اللہ ان کو اپنی رحمت سے دور کردے گا اور ان کو عذاب دائمی ہوگا۔

وضاحت:- اس آیت کا تعلق بھی عقیدۂ آخرت سے ہے، جو لوگ آخرت پر یقین ہی نہیں رکھتے اور جن کے مذہب میں آخرت کا تصور ہی نہیں ہے انھیں اس طرح کی آیتوں سے

ڈرنے کا کوئی مطلب نہیں، ان سے تو صرف وہی ڈرے گا جو آخرت پر یقین رکھتا ہو، اس لئے ان آیات کو فتنہ انگیزی کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔

جہاد کی ترغیب

آیت (۱۹):- يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ، اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ، وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفاً مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّايَفْقَهُوْنَ. (الانفال: ٦٥)

ترجمہ:- اے پیغمبر! آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں کے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے وہ دوسو پر غالب آجاویں گے اور اگر تم میں کے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب آجاویں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو دین کو کچھ نہیں سمجھتے۔

پس منظر:- اس آیت کو بطور اعتراض پیش کرنے والوں کو یہ تو یاد رہا کہ اس میں ایمان والوں کو جہاد کی ترغیب دی گئی؛ لیکن یہ بھول گئے کہ کن حالات میں یہ حکم نازل ہوا، اس کی کچھ تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب مشرکین کی طرف سے ظلم وستم کی حد ہوگئی اور یقینی طور پر یہ بات آشکارا ہوگئی کہ جہاد کے بغیر مفسدین کے فتنہ وفساد کا سلسلہ بند نہ ہوسکے گا تو مسلمانوں کو آخری حربہ کے طور پر دشمن کفار سے جنگ کرنے کی تلقین کی گئی، تو یہ حکم یقیناً برحق ہے؛ لیکن اس کا نفاذ وہیں ہوگا جہاں جنگ کے حالات پائے جائیں حالت امن ومعاہدہ کے لئے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے۔

یہود ونصاریٰ سے پکی دوستی کی ممانعت

آیت (۲۰):- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ، بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ، وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ، اِنَّ اللّٰهَ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ. (المائدة: ٥١)

ترجمہ:- اے یمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو دوست مت بنانا وہ ایک دوسرے کے

دوست ہیں۔ اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بے شک وہ انہی میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سمجھ نہیں دیتے جو دینا نقصان کررہے ہیں۔

وضاحت:- یہود ونصاریٰ کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے بلکہ اسلام کی آمد سے لے کر آج تک تاریخ کے ہر دور میں ان دونوں فرقوں نے اسلام کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔ اُنہوں نے مادی، علمی، اقتصادی، سیاسی، الغرض ہر میدان میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف محاذ کھول رکھا ہے۔ قرون متوسطہ میں سالہا سال تک صلیبی جنگیں لڑی جاتی رہیں، پھر اسپین میں اسلام کی بساط الٹی گئی۔ بلقان کے علاقوں میں صدیوں سے مسلمانوں کی خوں ریزی جاری ہے۔ انگریز کے خونچکاں بدترین مظالم سے تاریخ کے صفحات سیاہ ہیں اور آج اسرائیل، چیچنیا، بوسنیا، کوسوواوغیرہ میں بھی یہی طاقتیں اسلام سے برسر پیکار ہیں اور مسلمانوں کا نام ونشان مٹانے پر تلی ہوئی ہیں، ان اقوام کی سرشت اور جبلّی صفات کو اللہ سے زیادہ کون جان سکتا ہے؛ لہٰذا اس نے یہ حقیقت بیان کر دی کہ یہ لوگ آپس ہی میں چٹے بٹے ہیں، یہ تمہارے وفادار نہ کبھی ہوسکے ہیں نہ ہوسکتے ہیں اس لئے ان کی دوستی پر کبھی بھروسہ نہ کرو، جب بھی ان کی دوستی پر بھروسہ کیا جائے گا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ بریں نا یہ آیت قابل اعتراض ہرگز نہیں؛ کیوں کہ اس میں جو حقیقت بیان ہوئی ہے تاریخ کے حقائق اور مشاہدہ کی آنکھیں برابر اس کی تائید کرتی رہی ہیں اس لئے سارے عالم کے مسلمانوں کو یقیناً ان بدخواہ طاقتوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے، اس کے بغیر وہ نقصانات اور ذلتوں سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ آج دنیا میں مسلمانوں کی ذلت کی اصل وجہ یہی ہے کہ اُنہوں نے اپنے کھلے ہوئے بدخواہ دشمنوں کو اپنا دوست اور مشیر بنا رکھا ہے جس کا بدترین انجام عالمی ذلت ونکبت کی صورت میں نمایاں ہے۔ اللہم احفظنا منہ۔

اہل کتاب سے قتال وجزیہ کا حکم

آیت (۲۱):- قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍوَّھُمْ صَاغِرُوْنَ. (التوبۃ: ۲۹)

ترجمہ:- اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا نے اور اس کے رسول نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہوکر اور رعیت بن کر جزیہ دینا قبول کرلیں۔

وضاحت:- یہ حکم معاہدہ والی قوموں کے متعلق نہیں؛ بلکہ ان اہل کتاب کے بارے میں ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے لئے خطرہ بن جائیں، تو ضروری ہوجاتا ہے کہ ان کی فتنہ سامانیوں پر پیشگی بند لگایا جائے اور چوں کہ ان کی سرشت میں اسلام دشمنی پیوست ہے اس لئے جب تک ان کی طاقت بالکل مغلوب نہ ہوجائے اور وہ ذلت کے ساتھ اسلامی حکومت کی ماتحتی قبول نہ کرلیں اس وقت تک ان کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی جائے؛ کیوں کہ دشمن کو کسی حد تک پہونچائے بغیر چھوڑ دینا بعد میں مزید خطرات کا باعث بن جاتا ہے۔

اہل کتاب کی آپس میں عداوت

آیت (۲۲):- فَاَغْرَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَسَوْفَ یُنَبِّئُھُمُ اللّٰہُ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ. (المائدۃ: ۱٤)

ترجمہ:- اور ہم نے ان میں باہم قیامت تک کے لئے بغض وعداوت ڈال دیا، اور اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو ان کے کرتوتوں کے بارے میں آگاہ فرمادیگا۔

وضاحت:- یہ آیت یہود ونصاری کے تذکرہ کے ضمن میں نازل ہوئی جس کا مفہوم یہ ہے کہ مذہبی اعتبار سے یہودیوں اور عیسائیوں اور اسی طرح عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے درمیان دشمنی اور عداوت ڈال دی گئی ہے جو قیامت تک باقی رہے گی، چنانچہ اسلام کے آنے سے قبل یہ دونوں فرقے باہم دست وگریباں رہتے تھے اور اسلام کی آمد کے بعد اگر چہ دونوں اسلام کے مقابلہ میں متحد ہوجاتے ہیں؛ لیکن اندرونی طور پر ان میں آپس میں شدید قسم کے

اختلافات پہلے بھی موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں، یہودیت اور عیسائیت کی تاریخ سے واقف ہر شخص اس بات کو جانتا ہے؛ لہٰذا قرآن کریم نے اگر اس حقیقت کو آشکارا کر دیا تو اس پر چیں بجبیں ہونے کا کوئی موقع نہیں اور نہ کسی کی وجہ سے کسی کو ناراض ہونے کی ضرورت ہے اور خاص گروہ ہندو شدت پسند جن کا اس آیت کے سیاق وسباق سے کوئی تعلق نہیں ان کا اس آیت پر اعتراض قطعاً بے معنی اور محض شر انگیزی ہے۔

کفار ومنافقین چاہتے کیا ہیں؟

آیت (۲۳):- وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا. (النساء: ۸۹)

ترجمہ:- وہ اس تمنا میں ہیں کہ جیسے وہ کافر ہیں تم بھی کافر بن جاؤ، جس میں تم اور وہ سب ایک طرح کے ہو جاؤ، سو اُن میں سے کسی کو دوست مت بنانا جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں، اور اگر وہ اعراض کریں تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جس جگہ ان کو پاؤ، اور نہ ان میں کسی کو دوست بناؤ اور نہ مددگار بناؤ۔

پس منظر:- اس آیت کے شان نزول میں متعدد حضرات مفسرین نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ کچھ کفار مکہ سے مدینہ منورہ آئے اور اُنہوں نے یہاں آ کر اپنے کو مومن ظاہر کیا لیکن مدینہ کی آب وہوا انھیں راس نہ آئی اور وہ بہانہ بنا کر پھر واپس مکہ چلے گئے تو ان کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا بعض لوگ کہتے تھے کہ یہ لوگ مومن ہیں اور بعض کہتے تھے کہ نہیں یہ لوگ کافر اور منافق ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اصل حالت کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ ایسے منافقوں کے بارے میں اختلاف کرنے کا کوئی جواز نہیں اور ایسے دھوکہ باز لوگ ہرگز رحم کے قابل نہیں ان کا منشا تو اصل میں یہ ہے کہ جس طرح خود کافر ہیں اسی طرح مسلمانوں کو بھی کافر بنا کر دم لیں؛ لہٰذا ان سے دوستی اپنے ایمان کے لئے خطرناک ہے اس لئے اس سے احتراز لازم ہے۔ (تفسیر قرطبی

۲۶۴/۳) اور جب تک وہ مکہ سے ہجرت (جو ابتداء اسلام میں فرض تھی) نہ کرلیں اس وقت تک وہ اعتبار کے قابل نہیں، اور چوں کہ اس وقت مکہ والوں سے جنگی حالات چل رہے تھے: لہٰذا بجا طور پر یہ حکم دیا گیا کہ اگر یہ لوگ ہجرت نہ کریں اور اسلام دشمنی پر کمر بستہ رہیں تو پھر ان کی جان کی خیر نہیں ہے، تو یہ حکم صرف کھلے دشمن کے لئے ہے اس کے برعکس جو کفار صلح اور امن و آشتی کے ساتھ رہیں ان کے ساتھ امن کا معاملہ کیا جائے گا اور انھیں ستایا نہیں جائے گا چنانچہ اسی آیت کے فوراً بعد اگلی آیت میں اس کی صراحت اس طرح فرمائی گئی ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ، وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ، فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا. (النساء: ۹۰)

مگر جو لوگ ایسے ہیں جو کہ ایسے لوگوں سے جا ملتے ہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہے یا خود تمہارے پاس اس حالت سے آویں کہ ان کا دل تمہارے ساتھ اور نیز اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے منقبض ہو اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کردیتا پھر وہ تم سے لڑنے لگتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں یعنی تم سے نہ لڑیں اور تم سے سلامت روی رکھیں تو اللہ تعالی نے تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی۔

اس آیت نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردیا کہ اسلام ''صلح جو'' کافروں سے خواہ مخواہ قتل وقتال کی ہرگز اجازت نہیں دیتا معترضین کا اس طرح کی آیتوں سے صرف نظر کرکے دیگر آیتیں پیش کرنا اور پھر اپنی مرضی سے ان کے معنی متعین کرکے فتنہ پھیلانا بدترین قسم کی جعل سازی اور فریب دہی ہے جسے قطعاً قبول نہیں کیا جاسکتا۔

بدعہدوں کی سزا

آیت (۲۴):- قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ. (التوبة: ١٤)

ترجمہ:- اُن سے لڑو، اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سے سزا دے گا اور ان کو ذلیل کرے گا اور تم کو ان پر غالب کرے گا اور بہت سے مسلمانوں کے قلوب کو شفا دے گا۔

پس منظر:- یہ آیت عام نہیں بلکہ ایک خاص پس منظر میں نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اوپر سے مکہ کے ان بدعہد کفار کا تذکرہ چل رہا ہے جنھوں نے مسلمانوں کے حلیف بنوخزاعہ کو جانی و مالی نقصان پہنچانے میں قبیلۂ بنوبکر کی در پردہ مدد کر کے حدیبیہ کے ناجنگ معاہدہ کو پامال کر دیا تھا اور بیٹھے بٹھائے چھیڑ خوانی کے مرتکب ہوئے تھے، جس کی کچھ تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، تو ظاہر ہے کہ ایسے بدعہدوں کو سزا دینی لازم تھی چنانچہ ان کفار کو ان کی اوقات بتانے کے لئے قرآن کریم نے مسلمانوں کو ان الفاظ میں للکارا۔

اَلَا تُـقَاتِلُوْنَ قَوْماً نَّكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ وَهَـمُّوْا بِـاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ، اَتَخْشَوْنَهُمْ، فَـاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (التوبۃ: ۱۳)

تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے جلا وطن کر دینے کی تجویز کی اور انھوں نے تم سے پہلے خود چھیڑ نکالی، کیا ان سے (لڑنے سے) تم ڈرتے ہو! سو اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

اِس کے بعد اگلی آیت ۱۴ میں باقاعدہ ان بدعہدوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے آیت ۱۴ کو آیت ۱۳ کے ساتھ ملا کر مطالعہ کرنا چاہئے؛ تاکہ مطلب واضح ہو سکے قرآن کریم میں ایک مضمون کی آیات ایک دوسرے سے مربوط ہوتی ہیں، ان میں سے کسی ایک آیت کو دیکھ کر صحیح مفہوم تک نہیں پہنچا جا سکتا، بلکہ سیاق وسباق کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے ورنہ مطلب خبط ہو جائے گا۔

الغرض یہ آیات خاص دشمنوں اور بدعہدی کرنے والے شریروں سے متعلق ہیں ان کو عمومی معنی میں رکھ کر فتنہ انگیزی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

کیا پتہ چلا؟

مذکورہ وضاحتوں سے قارئین نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ وشو ہندو پریشد وغیرہ کی طرف سے قرآنی آیات پر اعتراضات محض دھوکہ ہیں جن کا حقیقت اور واقعیت سے کوئی تعلق نہیں ہے قرآن کی آیتیں ہرگز نفرت نہیں پھیلاتیں بلکہ ان پر اعتراض کرنے والے یہ لوگ ہی دراصل نفرت کے سوداگر ہیں جو مسلمانوں اور اقلیتوں کی لاشوں اور ان کی جلی ہوئی املاک پر اپنی قیادت کی کرسی جمارہے ہیں یہ لوگ چوں کہ خود تنگ نظر ہیں اسلئے اسلام کی تعلیمات کو بھی تنگ نظر ثابت کرنا چاہتے ہیں، جبکہ اسلام کی وسعت ظرفی، انسانیت نوازی اور فطرت انسانی سے پوری طرح ہم آہنگی اور آفاقیت روز روشن کی طرح عیاں ہے، کوئی بھی منصف مزاج اس سے انکار کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا، ہاں جس نے خود اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ رکھی ہو اس سے واقعۃً ہدایت وانصاف کی امید نہیں رکھی جاسکتی، اور جنھوں نے اپنی زندگی کا مقصد ہی فتنہ پروری اور منافرت کا بنالیا ہو ان سے کسی معقول بات کی تمنا کرنا بھی فضول ہے۔

قرآن کریم نئی کتاب نہیں

ذرا سوچیں تو سہی قرآن کریم کوئی نئی کتاب نہیں، آج اس کو نازل ہوئے ۱۵سو سال کا عرصہ ہو رہا ہے اس درمیان قرآن کے تراجم دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں ہو چکے ہیں اور عالم کے چپہ چپہ پر اسے صدیوں سے پڑھا اور سمجھا جاتا ہے مسلمان تو پڑھتے ہی ہیں بڑی تعداد میں غیر مسلم بھی اسے پڑھتے آئے ہیں، ان پندرہ صدیوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے اسلامی حکومتوں میں کب اور کہاں غیر مسلموں پر مظالم ڈھائے گئے؟ اگر اکّا دکّا کوئی واقعہ کہیں ملے گا تو اس کا تعلق اسلامی تعلیمات سے نہیں بلکہ حاکم کے شخصی عمل سے ہوگا لیکن جب اسلامی تعلیم کی روشنی میں فیصلہ اور حکم کی بات آئے گی تو ہمیشہ امن اور انصاف کا پہلو نمایاں نظر آئے گا۔

اگر قرآن کی تعلیمات ایسی ہی نفرت انگیز ہوتیں جیسی باور کرانے کی وشو ہندو پریشد نے

کوشش کی ہے تو ان ممالک میں جہاں صدیوں مسلم حکومتیں رہی ہیں کوئی کافر نمونہ کے طور پر بھی ہاتھ نہ آتا، اور جو بدزبان آج زہر اگل رہے ہیں ان کے آباؤ اجداد کے وجود سے قبل ہی ان کی نسلوں کا نام ونشان مٹا دیا جاتا، مگر ایسی نفرت کی بات کوئی تھی ہی نہیں اسی لئے مسلم حکومتوں کے زیر نگیں غیر مسلم بھی پوری آزادی کے ساتھ پروان چڑھتے رہے، اور انھوں نے کبھی یہ آواز نہیں اٹھائی کہ ''قرآنی آیات بدل دی جائیں؛ کیوں کہ اس سے نفرت پھیلتی ہے'' اس لئے کہ وہ اچھی طرح یہ جانتے تھے کہ قرآن ہرگز نفرت کی تعلیم نہیں دیتا، اور تو اور خود غیر مسلم، ہندو مفکرین مسٹر گاندھی وغیرہ نے قرآن کا مکمل مطالعہ کرکے اس کے بارے میں شاندار الفاظ میں تبصرے تاریخ کے صفحات پر درج کرائے ہیں، تو کیا یہ غیر مسلم اتنے کم فہم تھے کہ انھیں وہ آیتیں نظر نہ آئیں جنہیں لے کر آج اعتراض اٹھایا جا رہا ہے؟ کیا یہ ان کے مطالعہ کے وقت قرآن میں موجود نہ تھیں؟ یقیناً موجود تھیں اور اِن شاء اللہ تا قیامت رہیں گی، لیکن فرق دیکھنے والے کی آنکھوں کا ہے اگر انصاف کی عینک لگا کر قرآن دیکھا جائے تو وہ حقیقت آشکارا ہوگی، جسے ہم نے گذشتہ صفحات میں بیان کیا اور اگر تعصب، تنگ نظری اور نفرت کے چشمہ کو لگا کر قرآن پڑھا جائے تو ظاہر ہے کہ نفرت کا متلاشی اپنے مریض ذہن سے نفرت ہی کے معنی نکالے گا اور اسے اچھال کر ماحول کو نفرت آمیز بنانے کی کوشش کرے گا، وشو ہندو پریشد کی قرآن کے خلاف مذموم کوشش اسی نفرت پر مبنی مہم کا ایک حصہ ہے، لہٰذا عام برادران وطن کو چاہیے کہ وہ ان کے مغالطّوں سے متاثر ہوئے بغیر حقیقت کا انصاف سے مطالعہ کریں اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کریں اور نفرت کی گرم بازاری پر روک لگائیں؛ تاکہ ملک کے بسنے والے ہر مذہب کے لوگوں کے درمیان پیار ومحبت عام ہو، اور یکجہتی اور رواداری پروان چڑھتی رہے، جو ہمارے وطن کی خاص پہچان ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائیں، اور شرور وفتن سے محفوظ رکھیں، آمین۔

(ندائے شاہی، جنوری، فروری ۲۰۰۳ء)

❑❖❑